تو وہاں بھی اس کی ترویج کا ذریعہ پیدا ہو گا۔ امام محمدؒ نے اس مصلحت کو اپنے انتخاب کے لیے پسند نہیں کیا۔ اور کہا کہ اس میں براہ راست مجھ سے گفتگو کرنی چاہیے تھی۔ اس گفتگو کے بعد امام ابو یوسفؒ نے ان سے یحییٰ برمکی کے پاس چلنے کو کہا۔ دونوں صاحب یحییٰ کے پاس گئے۔ امام ابو یوسفؒ نے یحییٰ سے کہا کہ محمد بن حسن سامنے موجود ہیں۔ ان سے عہدۂ قضاء کے لیے معاملات طے کر لیجیے۔ یحییٰ نے امام محمد پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ عہدہ قضاء قبول کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔"[۱]

امام ابو یوسفؒ سے ناراضگی امام محمد بن حسن نے عہدہ قضاء بادلِ ناخواستہ قبول کر لیا تھا۔ اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) نے پیش رفت کی جس کی بنا پر مجھے مجبوراً عہدۂ قضاء قبول کرنا پڑا۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور اس ناراضگی نے اس قدر شدت اختیار کی کہ ان کے یہاں آمدورفت ترک کر دی۔ امام ابوبکر خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے یہاں تک لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے انتقال پر امام محمد بن حسن نے ان کے جنازہ میں شرکت تک نہیں کی۔[۲]

امام محمد کی حق گوئی اور عہدۂ قضاء سے برطرفی امام محمد نے عہدۂ قضاء بادل ناخواستہ قبول کر لیا تھا۔ اور اس میں ان کی خواہش کا ذرہ بھی دخل نہ تھا۔ اس لیے اس عہدہ پر جب تک فائز رہے بڑی دیانت داری اور بلا کسی رورعایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور آزادی وحق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ۱۷۵ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا۔ تو ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) اس کا سروسامان دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ اور تب کر صلح اختیار کی۔ معاہدہ قلمبند ہوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لیے

---

[۱] مناقب امام محمد ذہبی ص ۵۵، ۵۶۔
[۲] تاریخ بغداد ترجمہ امام محمد بن حسن۔

بڑے بڑے علما، فضلا، فقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کیے۔ یحییٰ اس صلح پر راضی ہو کر بغداد آئے تو چند روز بعد ہارون الرشید نے نقضِ عہد کرنا چاہا۔ تمام علمائے کرام نے ہارون الرشید کے خلاف فتویٰ دے دیا کہ موجودہ صورت میں نقضِ عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد بن حسن نے اعلانیہ مخالفت کی اور فرمایا "نقضِ عہد جائز نہیں"۔ چنانچہ امام محمدؒ پر عتابِ شاہی نازل ہوا اور عہدۂ قضا سے برطرف کر دیے گئے۔ اور اس کے ساتھ انہیں فتویٰ دینے سے روک دیا گیا۔ اور ساتھ ہی قید و بند کی مصیبت بھی اٹھانی پڑی[۱]

رہائی اور عہدۂ قضا پر بحالی امام محمد بن حسن جب قید میں تھے۔ ان دنوں ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) کی بیوی ام جعفر جائیداد وقف کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس سلسلہ میں امام محمدؒ سے فتویٰ طلب کیا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مجھے فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔ اس لیے میں آپ کے مسئلہ پر کچھ نہیں بتا سکتا۔ ام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون الرشید سے گفتگو کی، انہوں نے امام محمد کو رہا کر دیا۔ اور اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت بھی دے دی۔ اور دوبارہ ان کو عہدہ قضا پر بحال کر دیا۔ چنانچہ آپ اخیر تک عہدۂ قضا پر فائز رہے[۲]

وفات ۱۸۹ھ میں ہارون الرشید رے گیا تو اپنے ساتھ امام محمدؒ اور مشہور امام نحو کسائی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ یہاں امام محمدؒ کا ۵۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اور اسی دن یا دو دن بعد امام نحو کسائی کا بھی انتقال ہوا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں ائمہ فن کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا کہ:

"میں نے فقہ اور نحو کو رے میں دفن کر دیا ہے"[۳]

(باقی)

۱؎ بلوغ الامانی ص ۴۰

۲؎ ایضاً ص ۴۰

۳؎ جواہر المضیعہ جلد ۲ ص ۴۳

مولانا چودھری محمد سرفراز احمد خان (مرحوم)

جناب ڈاکٹر فیض احمد وڑائچ ۔ گجرات

(۲)

عام عادات آپ بہت صفائی پسند تھے ۔ بہتر سے بہتر چیز کو پسند کرتے ۔ لباس ہو تو صاف ستھرا ، کھانا پینا مختصر ۔ چائے کے عادی تھے ۔ اس معاملہ میں خاص بات یہ تھی کہ خواہ چائے میں کتنی بھی چینی پڑی ہوتی ، آپ چینی کے ایک دو چمچے اپنے ہاتھ سے مزید ڈالتے ۔ آپ کے سب دوست احباب اور اعزا و اقارب آپ کی اس عادت سے واقف تھے ۔ چنانچہ وہ چائے کے ہمراہ فالتو چینی ضرور رکھتے ۔

نمازِ تہجد کے بچپن ہی سے پابند تھے ۔ سفر و حضر ہر حال میں اس کی ادائیگی کا اہتمام فرماتے ۔ یہ عادت ان کے دادا جان کی تربیت کا ثمرہ تھی ۔ جو آپ کو بروقت جگا دیا کرتے تھے ۔ اور اپنے ساتھ تہجد کی نماز پڑھوایا کرتے تھے ۔ تہجد کے نوافل سے فراغت کے بعد آپ کسی نہ کسی موسمی پھل کا ضرور استعمال کیا کرتے تھے ۔ اکثر سیب اور کینو وغیرہ پسند تھے ۔ گھر میں سے جو فرد بھی اس وقت آپ کے پاس ہوتا ، اسے بھی ان پھلوں میں شریک فرماتے ۔

کتابوں میں مختلف تفاسیر ، احادیث ، فقہ ائمہ اربعہ ، سیرت النبی ، حالاتِ صحابہ کرام و صحابیات زیرِ مطالعہ رہتیں ۔ آپ ایک لمحہ کے لیے فارغ نہیں رہ سکتے تھے ۔ سفر وغیرہ میں بھی ان ہی کی تمنا ہوتی کہ کوئی صاحبِ علم شخص مل جائے تو تبادلۂ خیالات ہوتا رہے ۔ اگر کسی عالمِ دین کا ساتھ ہو جاتا تو انتہائی خوشی ہوتی ۔ راستہ میں تبادلۂ خیالات

جاری رہتا خصوصاً اہم کتب کے متعلق پوچھتے رہتے ۔ بعض دفعہ اسی گفتگو کے دوران میں اگر کوئی اچھی کتاب سامنے آجاتی تو اس کا سودا کر لیتے ۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے عقائد و خیالات کی اصلاح بزرگانِ سلف میں سے امام ابن تیمیہؒ ، ابن قیمؒ ، اور پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انہی کے مکتبِ فکر کے دیگر بزرگان کی کتب کے مطالعہ سے ہوئی ہے ۔ موجودہ قریبی دور کے علماء میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بہت مداح تھے ۔ فرمایا کرتے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب سلفِ صالحین کے حقیقی جانشین ہیں ۔ کیونکہ ان کا تمام تر فکر قرآن و سنّت سے ماخوذ ہے اور ان کی خوبی یہ ہے کہ جس بات کو انہوں نے حق سمجھا ، اس کو بغیر کسی جھجک کے سادہ اور دل نشیں انداز میں بیان فرما دیا ۔ بزرگانِ سلف کا بھی یہی طرزِ عمل تھا ۔ اور آج ہم جو ان کے اقوال میں اختلاف دیکھتے ہیں تو اس کی وجہ بھی ان کا یہی طریق کار تھا ۔

وہابیت کا لیبل آپ جب نوشہرہ چھاؤنی میں تھے تو ایک مرتبہ دو تین ماہ کی رخصت پر گھر تشریف لائے ۔ یہاں گاؤں میں بعض مذہبی شخصیات سے تبادلۂ خیالات ہوا جن کے مسائل بس یہی تھے کہ نبی بشر ہوتا ہے یا نور ؟ نبی عالم الغیب اور حاضر ناظر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ بزرگوارم والد صاحب کے لیے یہ سب خیالات قرآن و سنّت سے مطابقت نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ انہیں سمجھانے کی اپنی سی کوشش کرتے مگر بے سود ۔ بس وہابی کا لیبل آپ پر چسپاں کر دیا گیا ۔ یہیں سے آپ کے لیے مزید تحقیقات کرنے کا دروازہ کھلا ۔ آپ نے اپنے عقائد بھی نوٹ کیے ۔ اور ان کے عقائد بھی اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کے اکثر معتمد علماء حضرات اور اداروں سے اس معاملہ میں استفسار فرمایا ۔ اس طرح سے تقریباً سو فتاوٰی موصول ہوئے ۔

یک صد فتاوٰی کا مجموعہ ایک کتاب مأۃ فتاوٰی میں ان یک صد تحریروں کو جمع کر کے شائع کر دیا گیا ۔ ان سب نے بزرگوارم والد صاحب کے عقائد کو قرآن و سنّت کے مطابق قرار دیا ۔ اور والد مرحوم سے بحث کرنے والے دوسرے بھائیوں کے عقائد

کو شرک اور گمراہی۔ اس سے آپ کی بڑی ڈھارس بندھی اور بڑا اطمینان حاصل ہوا۔ آپ کی طبیعت پر ہر وہ بات جو قرآن و حدیث سے ہٹی ہوئی ہوتی، بہت گراں گذرتی۔ چنانچہ جوں جوں مطالعہ میں وسعت آئی، کئی قسم کی گمراہیاں آپ پہ آشکارا ہوئیں۔ آپ کو پریشانی اس بات پر ہوتی کہ یہ سب گمراہیاں اسلام کے نام پر پھیلائی جارہی تھیں۔ چنانچہ جہاں بھی کسی شخص کو اسلام کے نام پر گمراہی پھیلاتے دیکھا اس پر گرفت فرمائی۔ اور پوری ہمدردی کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔

بحث ختم نبوت ختم نبوت کے سلسلہ میں جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب سے خط و کتابت رہی اور مقدور بھر اس کی اصلاح کے لیے کوشش کی۔ اس خط و کتابت میں اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی۔ یہ خط و کتابت مع تفسیر سورۂ صف ایک کتاب کی صورت میں بہ عنوان "مصداق بشارت احمد" شائع کر دی گئی۔

حجیت حدیث جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کے خیالات کا پتہ چلا تو ان کے ساتھ بھی ضرورت حدیث اور حجیت حدیث کے موضوع پہ خط و کتابت ہوئی۔ اور دلائل و نظائر سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ حدیث رسولؐ سے بے نیاز ہو کر کوئی شخص قرآن حکیم کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ طویل خط "مکتوب لطیف فی حجیت حدیث" نامی پمفلٹ میں شائع کر دیا گیا۔

جناب غلام جیلانی برق مرحوم سے کے ساتھ بھی ان کے خیالات کے متعلق خط و کتابت رہی۔ وہ بہت سٹ پٹائے اور ایک مرتبہ یہاں تک لکھ گئے کہ آپ کوشش تو فرما رہے ہیں، مگر مجھ جیسے ابو جہل کو راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ مگر بالآخر یہی وہ ایک ایسی باسعادت ہستی تھی کہ جنہوں نے اعتراف کیا کہ دیگر بزرگوں نے تو انہیں صرف گالیوں سے نوازا اور کفر و ضلالت کے فتوے لگائے مگر آپ نے صحیح طریق سے اصلاح کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ برادر عزیز چوہدری مشتاق احمد صاحب کو کیمبل پور (اٹک) جانے کا اتفاق ہوا تو وہ جناب غلام جیلانی برق صاحب کی خدمت میں ملاقات کی غرض

سے حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ چودھری محمد سرفراز احمد خاں کے چھوٹے صاحبزادے ہیں تو برق صاحب اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور برادرِ عزیز کو گلے لگا لیا اور فرمایا کہ تمہارے والد بزرگوار کا میں شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے خیالات کو صحیح رُخ پر موڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے[1]
غرضیکہ جہاں کہیں بھی اسلام کے مُسلّم عقائد و نظریات پر کوئی ناروا حملہ ہوا، آپ نے فوراً اس کا دفاع کیا۔

یہاں گجرات ہی کے ایک ثقہ اہلِ حدیث عالم جناب حافظ عنایت اللہ اثری صاحب نے ایک کتاب بنام "عیونِ زمزم فی میلاد عیسٰی ابن مریم" لکھی۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کے چودہ صد سالہ متفق علیہ عقیدے کے خلاف کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی تھی، معترضانہ بحث کی۔ اس کے جواب میں والدِ مکرم نے "معجزانہ ولادت عیسٰی بن مریم" نامی کتاب لکھی۔ اور خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مطالعہ کے لیے دی۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر ان کی ملاقات کے لیے گئے تو حافظ صاحب اُٹھ کر اُن سے گلے ملے۔ اور کہا کہ آپ نے تو اپنی اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی نمایاں کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں نے تو صرف ایک خیال کا اظہار کیا تھا۔ اس پر والد صاحب نے انہیں کہا کہ واہ حافظ صاحب آپ اس بات کو معمولی سمجھتے ہیں۔ ایسے مباحث سے سوائے ذہنی خلفشار کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہرحال والد صاحب

---

[1] مرحوم ڈاکٹر غلام جیلانی برق بڑے قابل آدمی تھے۔ ان کی کتاب دو قرآن کے زمانے میں میں نے کچھ نوٹ لکھے۔ اصلاح یافتگی کے بعد ان سے مختصر سی ملاقات اسلام آباد کے ہوٹل میں ہوئی۔ خط و کتابت مختصر سی رہی۔ کسی صاحب نے ان کے خطوط کے متعلق پوچھا تھا کہ اگر ملیں تو نقل چاہیے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ تلاش میں ناکامی ہوئی۔ اب وہ خط مل گئے ہیں۔ اگر وہ صاحب لکھیں تو فوٹو نقل بھجوا دوں۔ (مدیر)

آخر وقت تک انہیں ایک اچھا عالم دین خیال فرماتے رہے اور ان کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی رہے۔

آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجہ میں کئی افراد کی اصلاح ہوئی۔ نوشہرہ میں ایک فوجی انگریز مسلمان ہوا۔ اس کے لیے والد مرحوم نے اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مبنی ایک کتابچہ انگریزی زبان میں لکھا جس کا نام CONCEPTION OF ISLAM رکھا۔ مذہب اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انگریزوں نے اسے فوج سے نکال دیا اور واپس انگلستان بھیج دیا۔ (دیکھا سائنس پرستوں کا تعصب! مدیر) اسی طرح سے اپنے عزیزوں میں سے ایک ایم اے پاس لڑکی جو اپنی ایک روسی سہیلی کے دہریہ خیالات سے متاثر تھی اور خدا کی ہستی کی منکر تھی یا کم از کم خدا کی ہستی کے بارے میں متشکک تھی، اسے ایک خط کے ذریعے خدا کی ہستی کا تصور دلایا۔ چنانچہ وہ مطمئن ہوگئی اور شکریہ کا خط لکھا۔ یہ خط و کتابت مع چند اضافوں کے آپ کے پمفلٹ "ہستی باری تعالیٰ" نامی کتاب میں شائع ہوگئی ہے۔ فیصل آباد میں آپ چند ماہ ایک قادیانی خاندانی کے ہاں رہے۔ اس دوران میں انہیں قرآن حکیم کی تعلیم دیتے رہے اور بالآخر دوبارہ انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اسی طرح آپ کے گاؤں کے کئی افراد جو قادیانیت اختیار کر چکے تھے، آپ کی دعوت کی بدولت وہ سب قادیانیت سے تائب ہو کر از سر نو مسلمان ہو گئے۔ صرف ایک صاحب جو برادری میں بہت قریب ہیں اور جن کے لیے آپ نے بہت کوشش کی، انہیں قادیانیت سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ ان کی وجہ سے ان کا سارا خاندان ابھی تک ضد میں مبتلا ہے۔ آخری ایام میں جب آپ اپنی بیماری کے سبب ہسپتال میں زیر علاج تھے، ان کا چھوٹا بھائی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا تو بڑی دلسوزی کے ساتھ اسے فرمایا کہ کاش تمہارے بڑے بھائی کی اصلاح ہو سکتی، اور مجھے انتہائی خوشی ہوتی کہ آپ جہنم کی آگ سے بچ جاتے۔ دعا بھی فرمائی۔

غرضیکہ بزرگوارم والد صاحب کی انتہائی کوشش و خواہش یہی ہوتی کہ کوئی بھی انسان گمراہیوں سے بچ جائے۔ آخری دور میں سیرت پر انگریزی زبان میں ایک کتاب

(THE WORLD OF PROPHET) کے نام سے لکھی۔ اس کی اشاعت کے لیے بھی ہمیں وصیت فرمائی۔ چنانچہ اس کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔

آپ کا مسلک یہی تھا کہ بنیادی چیز صرف قرآن و سنّت ہے اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات و فلاح ہے۔ بزرگانِ سلف و خلف کے جو اقوال، ارشادات اور اعمال قرآن و سنّت کے مطابق ہوں۔ وہ قابلِ ستائش اور قابلِ اتباع ہیں۔ اور جو ان کے خلاف ہیں ان کو نظر انداز کر دینا چاہیے، اُن کے متعلق آپ سے کوئی پرسش نہ ہوگی کسی کے متعلق اپنے سینہ میں کینہ، بغض و عناد نہیں رکھنا چاہیے۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے آپ کے سب اعزا و اقربا اور احباب آپ کے ساتھ احترام کا معاملہ کرتے تھے۔

مرحوم کا مسلک یہ تھا کہ جو اصحاب زندہ ہیں انہیں ان کے غلط نظریات سے آگاہ کرنا چاہیے اور ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

آپ کی تالیفات کی فہرست اور ان پر مختلف افراد کے تبصرہ جات منسلک ہیں۔ آپ کا طریقۂ کار مفت تقسیم کا تھا۔ صرف ڈاک کا خرچہ ٹکٹوں کی صورت میں منگوا لیتے تھے اور اگر کسی نے زائد ٹکٹ دیئے ہوئے تو وہ بھی اُن کو کتب کے ساتھ واپس بھجوا دیتے۔

وفات سے چند ماہ قبل آپ نے اپنے کتب خانہ کی سب کتب تقسیم فرما دی تھیں۔ چند کتابیں اپنے بچوں اور احباب کو دے دیں۔ اور اکثر کتب کو مدرسہ احیاء العلوم کٹھیالہ تحصیل و ضلع گجرات کے نام وقف فرما دیا۔ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو سب کتابیں وہاں کے ناظم جناب مولانا محمد نصر اللہ خاں صاحب (مرحوم) کے حوالے کر دیں۔

جنوری ۱۹۸۶ء میں چند روز ہسپتال میں زیرِ علاج رہنے کے بعد ۱۴ جنوری کو تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں صبح صادق کے قریب آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

رسائل و مسائل

بحری جانور اور خرگوش کی حِلّت و حُرمت

سوال: جناب شمس پیرزادہ صاحب مترجم کتاب "اسلام میں حلال و حرام" نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۹ پر لکھا ہے کہ "بحری جانور جو پانی میں رہتے ہیں اور پانی میں رہ سکتے ہیں، سب حلال ہیں جس حالت میں بھی پائے جائیں، خواہ پانی سے زندہ نکالے گئے ہوں یا مُردہ سطحِ آب پر تیرتے ہوئے پائے جائیں یا اس کے بغیر مچھلی ہو یا سمندری کُتا، سمندری خنزیر ہو یا کوئی اور جانور، یکساں طور پر جائز ہیں — الخ"

اِس پر دو قرآنی آیات کا استدلال ہے۔

ہمارے فقہ اور توراۃ میں بری، بحری اور فضائی تمام جانداروں کی فہرست حلال و حرام موجود ہے جس میں کُتا اور خنزیر حرام ہے۔ (بوجہ مرقومہ)

فقہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ میں خرگوش اور کھال والی مچھلی حرام ہے۔ تورات میں بھی یہ جاندار حرام ہیں جب کہ ہم سوادِ اعظم دونوں کو حلال شمار کرتے ہیں۔

از راہِ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت کریں کہ پانی کے جانور بشمول کتا و خنزیر بحری اور خرگوش (بری) کیونکر حلال شمار ہوں گے؟

جواب:-

میں نے جناب پیرزادہ صاحب کا ترجمہ کردہ مضمون اور پھر ڈاکٹر یوسف القرضاوی صاحب کی اصل کتاب کا متعلقہ حصہ پڑھا ہے۔ قرضاوی صاحب سمندری جانوروں